© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

تعلیمات قرآن کے متعلق بحث

(۳)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز۔ بی۔ اے

آدم کا گناہ اس باب میں میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میں اور صاحب تعلیمات میں یونہی لفظی سی نزاع باقی رہ گئی ہے یعنی وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت آدم اپنے گناہ کی پاداش میں جنت سے نکالے گئے، لہذا جب گناہ کی سزا مل جائے اس کی معافی کیا ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جنت سے تو وہ ضرور نکالے گئے لیکن یہ اس گناہ کی پاداش میں نہ تھا، بلکہ گناہ کے طبعی اثر کی بنا پر تھا۔

آپ پہلے توبہ اور عفو کے الفاظ کو لیجیے۔ توبہ کے لغوی معنی رجوع کے ہیں۔ یعنی جدھر سے منہ موڑ لیا تھا اس کی طرف پھر رُخ کیا جائے۔ اور جب اسکی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور صلہ علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی توبہ قبول کرنے یعنی اپنے فضل و احسان کے ساتھ پھر اس بندے کی طرف رجوع کرنے کے ہیں۔ گویا جس کی توبہ قبول ہوئی وہ راندۂ درگاہ نہ ہوا، بلکہ اس کی رحمتوں نے پھر اسکی طرف رجوع کر لیا۔ اور عفو کے معنی ہیں القصد لتناول الشئ (مفردات راغب) اور قرآن کریم میں جہاں بھی عفو استعمال ہوا ہے اس کے معنی ایسی معافی کے ہیں جس کے بعد کچھ باقی نہ رہے مثال کے طور پر سورۂ بقرہ آیت (۲۳۷) میں دیکھیے ایسی عورتیں جنھیں بلا تمسک طلاق دیدی جائے انکا نصف مہر واجب آتا ہے۔ مگر۔

اِلَّآ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِہٖ یہ کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ معاف کر دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقدۃ النکاح (۲ : ۳۱) جس کے ہاتھ میں عقدہ نکاح ہو۔

اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں اسی بنا پر گناہ کے اثر کے ازالہ کو عفو گناہ کہتے ہیں تاب علیہ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کے معانی مختلف ہیں اور جو آیت آپنے پیش کی ہے وہی اس پر دلالت کر رہی ہے آپنے فرمایا کہ فتاب علیکم وعفا عنکم ۔ میں عفا عنکم ، تاب علیکم کی تفسیر کر رہا ہے۔ اس سے خود ثبوت ملتا ہے کہ توبہ اور عفو دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اب اسی اصول پر حضرت آدم کے متعلق جو وارد ہوا ہے فتاب علیہ وھدیٰ، تو اس میں توبہ کی تفسیر ہدیٰ کیوں نہ قرار دی جائے۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی یعنی ہدایت فرمائی یعنی اللہ نے ان کے گناہ پر شیطان کی طرح انہیں ملعون نہیں کیا بلکہ ان کو پھر شرف و اجتبار عطا فرمایا یا ان کو استغفار کی توفیق دی۔ ان کی طرف رجوع فرمایا اور جنت میں آنے کا راستہ بتایا (وھدیٰ) کہ ایمان و عمل صالح کی راہ سے جنت میں آجاؤ۔ اور یہی کچھ تعلیمات قرآن میں ہے۔ قبول توبہ کی ایسی صورت جس میں جرم سزا سے نہ بچے، صاحب تعلیمات کے نزدیک معانی نہیں، خواہ وہ طبیعی اثر سے ہو یا کسی اور اثر سے۔

اب قرآن کریم میں دیکھیے تو کچھ ایسی ہی نہج کے اشارے ملتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں قصہ آدم میں یوں مذکور ہے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۔	شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی وجہ سے لغزش دیدی سو ان کو اس میں سے نکال کر رہا جس میں وہ دونوں تھے۔ اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو۔ تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے۔ اور تمکو زمین میں چند ے ٹھیرنا اور فائدہ حاصل کرنا ہے۔ ایک میعاد معین تک۔

یہاں ہبوط آدم کا حکم موجود ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمہیں دنیا میں ٹھیرنا اور کام چلانا ہے لیکن اس سے زیادہ کوئی ہدایت وارشاد نہیں کہ اس وقت تک رحمت الٰہی نے رجوع نہیں کیا۔ اس کے آگے دیکھیے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ۔ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔	ازاں بعد آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ حاصل کیے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔

اللہ نے انکی طرف توجہ فرمائی ۔ بیشک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے ہم نے کہا کہ اترو اس سے سب کے سب پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت آئے، سو جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کریگا تو نہ ایسے لوگوں کو کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ہی ایسے لوگ غمگین ہوں گے ۔

یہاں آدم نے توبہ کی ۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی ۔ اور ان سے ہدایت کا وعدہ کیا جو توبہ سے پہلے نہیں کیا گیا تھا ۔ یہ وہی تفصیل ہے جو فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ میں مجمل تھی ۔ ان کی توبہ قبول کی یعنی ہدایت عطا کی ۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول کرنے (یعنی بندے کی طرف رجوع کرنے) کی دو شکلیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ توبہ قبول کرنے کے بعد وہ راستہ بتا دیا جس پر عمل پیرا ہونے سے گناہ کے اثرات زائل ہو جائیں جیسا کہ حضرت آدم کے لیے فتاب علیہ وہدیٰ میں ہے ۔ دوسرے یہ کہ توبہ قبول کی اور گناہوں کے اثرات میں سے کچھ بھی باقی نہ رکھا سب محو کر دیے جیسا تاب علیکم وعفا عنکم میں ہے ۔ یہی سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں ہے

هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ (۴۲ : ۳) ۔

اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے ۔

آپ فرماتے ہیں کہ سزا مل جانے کے بعد شرفِ اجتبا، باقی نہیں رہتا[1] ۔ تو کیا وہ لوگ جن سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جس کی فوری پاداش اسی دنیا میں مل جاتی ہو، اگر اس پاداش کے بعد توبہ کر لیں، اور ان کی توبہ قبول ہو جائے، تو آپ کے نزدیک کیا وہ ہمیشہ کے لیے شرفِ اجتباء سے محروم کر دیے جائیں گے ؟ توبہ قبول ہونے کے معنی ہی یہی ہیں کہ شرفِ اجتباء، اور توجہات رحمانی سے محروم نہ رکھے جائیں، لہٰذا اگر حضرت آدم کی توبہ ۔ بعد پاداش بھی تسلیم کر لی جائے تو یہ خدشہ باقی نہیں رہتا ۔

[1] میں نے یہ کبھی نہیں کہا ۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ گناہ کو معاف نہ کرنا اور اس پر سزا دینا، پھر اسی سزا کی حالت میں شرفِ اجتباء عطا کرنا، یہ دو بالکل متضاد باتیں ہیں ۔ مدیر ترجمان القرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد آپ نے سزا و گناہ کے فلسفہ پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ یہ موضوع بڑا اہم او مستقل ہے اور افسوس ہے کہ ضمناً میں بھی اس پر شرح و بسط سے کچھ نہیں لکھ سکتا لیکن آپ نے جو طبیعی اور غیر طبیعی اثرات میں فرق کیا ہے۔ میں اسے نہیں سمجھ سکا۔

آپ نے فرمایا ہے کہ ہبوط کا حکم "سزا اور انتقام کے طور پر نہ تھا، بلکہ اس شجر کا مزہ چکھنے کا طبیعی نتیجہ تھا"۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ گناہوں کی "انتقامی" سزا کے قائل ہیں لیکن میں تو قرآن کریم سے کوئی اشارہ نہیں پاتا جس میں یہ ہو کہ گناہوں کی سزا بطور انتقام دیجائے گی۔ انسان اگر گناہ کرتا ہے تو اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ لہذا انتقام کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا انتقام اس مفہوم میں کبھی نہیں ہوتا جیسا آپ نے فرمایا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ یہ ہبوط اس شجر کا مزہ چکھنے کا طبیعی نتیجہ تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں سزا غیر طبیعی بھی ہوتی ہے؟ خیال فرمائیے کہ اگر حضرت آدمؑ کے گناہ کا طبیعی اثر بعد عفو گناہ بھی اس امر سے مانع تھا کہ وہ جنت میں رہ سکیں، تو دنیا میں اگر ایک شخص ایک گناہ کے بعد تائب ہو جائے۔ اور اسے اس گناہ سے معافی بھی مل جائے۔ تو آپ کے خیال کے مطابق اس گناہ کا طبیعی اثر تو باقی رہے گا جو ہو سکتا ہے کہ اسے جنت میں داخل ہونے سے روک دے۔ اور اگر کہا جائے کہ جنت میں داخلے کے وقت ایسے طبیعی اثرات (مثل احساس زوجی وغیرہ) مٹا دیے جائیں گے، تو جب حضرت آدم کا گناہ معاف کیا گیا تھا تو اس گناہ کے طبیعی اثرات مٹا دینا کونسا مشکل کام تھا حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا نظام جسمانی پر طبیعی اثر (جیسا آپ نے شراب کے نشہ والی مثال میں بیان فرمایا ہے) تو فی نفسہ کوئی شے نہیں۔ ایک چور کا ہاتھ شرعی عدالت کے حکم سے کاٹ دیا جائے اور ایک مرد مجاہد کا بازو میدان جنگ میں شہید ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ نظام جسمانی پر طبیعی اثرات یکساں ہیں حقیقت میں کس قدر فرق ہے۔ خدا کے حضور تو اس قسم کے طبیعی اثرات کا کچھ وزن نہیں۔ اور جب گناہ معاف کر دیا جاتا ہے تو ایسے اثرات جنکی فی الواقع کوئی حقیقت ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مٹا دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (۴۲ : ۴) جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے اور اکثر قصوروں کو اللہ معاف کر دیتا ہے۔

یعنے جو گناہ معاف نہیں کیے جاتے اور اُن کی سزا دنیا میں لحجانی ہوتی ہے، ان کی وجہ سے انسان مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جن گناہوں کی معافی مل جاتی ہے ان کے نتائج بھی انسان کے سامنے نہیں آتے۔ ظاہر ہے کہ اگر معافی میں محض خدا کی ناراضگی کی معافی ہی ہوتی تو مصائب جو لامحالہ کسی طبعی شکل ہی میں آتے ہیں کس طرح سے ٹل جاتے؟ لہٰذا معافی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اعمال کے ایسے طبعی اثرات جن کا خدا کے نزدیک کچھ وزن ہو دونوں زائل ہو جاتے ہیں۔

ان تصریحات سے تو صاحب تعلیمات کا خیال ہی مرجح نظر آتا ہے۔

غلامی | بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اسیران جنگ کو یا تو احسانًا رہا کر دیا جائے، یا فدیہ (بشکل زر نقد یا مبادلہ اسیران جنگ) لیکر۔ لیکن اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ احسانًا چھوڑنا خلاف مصلحت ہو اور فدیہ ادا کرنے پر دشمن تیار نہ ہوں، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟ صاحب تعلیمات نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں وہ شاہی قیدی ہوں گے۔ اور ان سے ایسا ہی سلوک کیا جائے گا لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ ایسی شکل میں وہ غلام بنا لیے جائیں گے۔ صاحب تعلیمات نے آپ کے اس دعوے کی دلیل میں قرآن کریم سے ثبوت مانگا تھا۔ سو آپ نے اپنے جواب میں اس طرف توجہ منعطف نہیں فرمائی۔ اور قرآن کریم سے اسیران جنگ کو غلام بنانے کے جواز میں ثبوت پیش نہیں کیا۔ البتہ دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول تو یہ کہ جب دشمن مسلمان اسیران جنگ کو غلام بنا کر رکھیں تو مسلمان ان کے قیدیوں کو کیوں نہ غلام بنائیں۔ بات تو ہے یہ جی لگتی ہوئی لیکن اس کا کیا علاج کہ قرآن کریم مسلمانوں کو اس سطح سے بہت بلند لے جانا چاہتا ہے کہ اگر دشمن تمہارے ساتھ ناز یبا سلوک کریں تو تم بھی ایسا ہی ناشایستہ سلوک ان سے کرو۔ مسلمانوں کو تو یہ بھی اجازت نہیں دیتی کہ مشرکین کی مٹی کی مورتیوں کو بھی گالی دیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ان غلاموں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انتہائی رافت و رحمت کے سلوک کا حکم دیا گیا ہے یہ بات از خود آپ کے قائم کردہ اصول کے خلاف ہے۔ کفار تو آپ کے قیدیوں سے انتہائی بدسلوکی کا برتاؤ کریں اور آپ انہیں اپنی سوسائٹی کے بہترین افراد میں جگہ دیں۔ پھر اگر آپکا اصول مان لیا جائے تو کیا آپ اس کی بھی اجازت دیں گے کہ دشمن اگر مسلمان قیدی عورتوں سے کوئی گستاخی کریں، تو اس کے بدلے میں مسلمان بھی ان کی قیدی عورتوں سے ایسا ہی سلوک کریں؟ اسلام کے اصول تو بالکل "اپنے ہیں" اور یہ انھیں کے ماتحت حکم دیگا۔ دنیا خواہ کچھ کرے۔

دوسری دلیل پھر اصحاب رسول اللہ اور اہل بیت کے طرز عمل کی پیش کی ہے۔ میرے لیے تو یہ کافی ہو سکتی ہے لیکن معترض اگر کہیں کہ آپ تو وعدہ کر چکے ہیں کہ قرآن سے باہر نہیں جاؤں گا پھر اسی سے ثبوت کیوں نہیں دیا جاتا، تو کیا حق بجانب نہیں ہوگا؟

آپ نے فرمایا ہے کہ احساناً قیدیوں کو چھوڑ دینے میں مسلمانوں کو بہت نقصان رہتا ہے کہ اس صورت میں کوئی قوم اتنی احمق نہ تھی کہ زرفدیہ ادا کرتی لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ بطور احسان چھوڑ دینے میں جو فائدے حاصل ہوئے زرفدیہ کے درہم و دینار انکا کم ہی مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اس سے اسلام کے متعلق لوگوں کی ذہنیت بدل گئی۔ آنحضرت نے ہزارہا قیدی بلا فدیہ لیے رہا کردیے اور ان احسانات کا جو اثر ہوا اس کے شاہد زمین و آسمان ہیں۔ پھر سوال تو غلام بنانے اور انھیں فروخت کرنے کا ہے اس کے متعلق فرمائیے کہ قرآن کا کیا حکم ہے؟ اور آج اگر کوئی قوم فدیہ نہ ادا کرے، اور مسلمان ان کے اسیران جنگ کو احساناً نہ چھوڑنا چاہیں تو ان سے کیا سلوک کریں؟ ما ملکت ایمانکم اور اسیران جنگ کی بحث آج بڑے اہم مسائل میں سے ہے۔ اسے ضرور حل کیجیے۔

(باقی)

© rasailojaraid.com